© rasailojaraid.com

امام انقلاب حضرت علامہ سندھی

مولانا ابو سعید غلام مصطفےٰ قاسمی صاحب

امام المفسرین علامہ سندھی کے انتقال پر ملال کا صدمہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے اتنا بڑا صدمہ ہے جس کی تلافی زمانہ قریب میں مشکل ہے۔ اگرچہ حکمت ولی اللھی کا شارح ہم سے جدا ہو کر حظیرۃ القدس میں جا پہنچا لیکن ان کی مجاہدانہ زندگی کے روشن کارنامے اور مستقبل میں ملت اور قوم و وطن کی خدمت کا جو پروگرام انھوں نے بنایا تھا، وہ ہمارے پاس موجود ہے۔

دردِ ما بر مرگِ حضرت کمتراز یعقوب نیست
اوپسر گم کردہ بود وما پدرگم کردہ ایم

قارئین کرام کو بخوبی معلوم ہوگا کہ اس قحط الرجال کے دور میں حضرت امام عبید اللہ کے انتقال کا صدمہ مسلمانان ہندوستان کے لیے اتنا بڑا سیاسی، مذہبی اور علمی نقصان ہے جس کی تلافی صدیوں تک مشکل ہے۔ افسوس صرف اس بات کا ہے کہ بہت تھوڑے لوگوں کو اس بات کا احساس ہے کہ حضرت امام کا مقام اور ان کا مشن کیا تھا؟ اس مشن کی کامیابی و ناکامی میں مسلمانوں کی زندگی اور موت کا سوال مضمر ہے۔ حضرت علامہ کی وفات پر ہندوستان میں تعزیتی جلسے ہو رہے ہیں، جن میں مولانا مرحوم کے لیے مغفرت کی دعائیں اور ان کے لپسماندگان سے اظہارِ ہمدردی کی جاتی ہے۔ جیسے کے عام طور پر ایک سیاسی لیڈر یا عالم کے انتقال پر کیا جاتا ہے۔ مگر کاش ہندوستان کے مسلمان حضرت امامؒ کے مقام سے آشنا اور ان کے مشن سے مکمل طور پر واقف ہوتے تو اس رنج والم کا عالم کچھ اور ہوتا۔ حضرت علامہ سندھیؒ محض ایک سیاسی رہنما، علوم عربیہ کے عالم اور صرف ایک مولوی ہی نہ تھے بلکہ وہ ایک محقق و مجتہد کے منصب پر فائز تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت امامؒ سے پہلی ملاقات:

علامہ سندھیؒ جب ۲۵ سالہ جلاوطنی کے بعد مرحوم اللہ بخش شہید اور شیخ عبدالمجید صاحب اور دیگر بزرگوں کی کوشش سے ۹۳۹ ہندی (۱۹۳۹ء) میں کراچی تشریف فرما ہوئے، اخبارات میں مولانا کی تشریف آوری اور شاندار استقبال کی خبریں شائع ہوئی تھیں۔ مرحوم اللہ بخش وزیر اعظم اپنے ارکان وزارت کے ہمراہ کیماڑی (کراچی) کی بندرگاہ پر موجود تھے۔ میں اس وقت دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پا رہا تھا۔ حضرت امام سندھی کے حالات کو انتہائی شوق سے اخبارات میں پڑھتا تھا۔ ایک جلسے میں مرشدی مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نے تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "ایک فضیلت تو علامہ سندھی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی عطا فرمائی ہے جو ہمیں آج تک نصیب نہیں ہوئی وہ ہے "جہاد بالسیف"۔ اس وقت سے میں نے عزم کر لیا کہ حضرت مولانا سندھی کی خدمت میں رہ کر ان کے فیوضات سے ضرور مستفیض ہوں گا اور ان کا ادنیٰ سپاہی بن کر کام کروں گا۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت مولانا سندھیؒ ہندوستان کا دورہ کرتے ہوئے دارالعلوم دیوبند پہنچے۔ اس وقت کو میں اپنے لیے نعمت عظمیٰ سمجھتا ہوں کہ مجھے ایک سراپا انقلاب انسان کی زیارت نصیب ہوئی۔

حضرت کی مجلس میں میں نے کیا دیکھا:

بہت سے متبحر علما علامہ سندھیؒ کی خدمت میں زانوے ادب تہہ کر کے بیٹھتے اور حضرت کے افادات سے مستفیض ہوتے، تمام بزرگ ان کا اس طرح احترام کرتے جیسے کوئی ادنیٰ شاگرد استاد کا احترام کرتا ہے۔ مجھے ان مجالس میں ایسی علمی، بلند فکر اور ایمان پرور تقاریر سننے کی سعادت حاصل ہوئی جو میں نے کبھی نہ سنی تھیں۔ اس کے بعد میں حضرت علامہ کو ایک مجتہد، انقلابی جماعتوں کا سالار اور قائد اعظم سمجھنے لگا اور ان کے امام انقلاب ہونے کا مشاہدہ ان کی ہر مجلس اور صحبت میں کرتا رہا۔ حضرت مولانا کی سکونت کسی ایک جگہ معلوم نہ ہوتی تھی۔ اسی زمانے میں دارالعلوم سے فارغ ہوا اور دہلی کے اورینٹل کالج میں داخلہ لیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جامعہ نگر دہلی میں بیت الحکمت کا قیام:

حضرت مولاناؒ رمضان ۱۳۵۹ھ کے آخری ہفتے میں دہلی تشریف فرما ہوئے ۔ اور ۱۶۔ شوال ۱۳۵۹ھ بمطابق ۹۴۰ ہندی ، ۱۷ نومبر (۱۹۴۰ء) کو جامعہ ملیہ دہلی میں بیت الحکمت ، یادگار شیخ الہند اور ولی اللہ اکادمی کا قیام عمل میں لائے ۔ میں دہلی میں حضرت کی خدمت میں ہر جمعہ کو ادارہ شرقیہ متصل جامع مسجد جاتا تھا ۔ ایک دن حضرت نے فرمایا کہ ہم تمھیں سندھ میں پڑھائیں گے اور کام سکھائیں گے ۔ حضرت کے اس جملے پر میں بہت خوش ہوا ۔

شرفِ تلمذ:

ایک درد مند دل رکھنے والے انسان کی آواز کا اثر ظاہر ہونے لگا ۔ بہت مخالفت کے باوجود بیت الحکمت کی شاخیں ہندوستان میں قائم ہونے لگیں ۔ عربی اور انگریزی دان نوجوانوں کا طبقہ متوجہ ہونے لگا ۔ مولاناؒ اپنی پیرانہ سالی اور ضعیفی و کمزوری کے باوجود ہندوستان کے گوشے گوشے میں جا کر اپنے انقلابی افکار سے سوئے ہوئے مسلمانوں کو بیدار کرنے لگے ۔ اس کا نتیجہ بھی جلد سامنے آگیا ۔ اہل علم اور اصحابِ اخلاص کی ایک جماعت آپ کے پیغام کی طرف متوجہ ہو گئی اور قرآن حکیم کی انقلابی تعلیمات و افکار کو اپنی توجہ اور غور و فکر کا موضوع بنا لیا ۔

سندھ سے مولانا (دین محمد) وفائی صاحب اور ہندوستان سے پروفیسر محمد سرور صاحب جیسے اہل قلم مولانا کی جماعت میں داخل ہو کر سرگرم عمل نظر آنے لگے ۔ دارالرشادؒ (پیر جھنڈا) میں بیت الحکمت کا مستقل مرکز کھولا گیا ۔ مگر افسوس کہ صوبہ سندھ (جس سے مولانا مرحوم کو بے حد محبت تھی) سے پانچ ، سات نوجوان مولوی صاحبان کے سوا دوسروں نے کم توجہ دی ۔ وہ عام طور پر حجروں میں بیٹھ کر مخالفت کرتے تھے ۔ اللہ پاک کا لاکھ شکر ہے کہ مجھ جیسے کم علم ناچیز کو حضرت علامہ کا تلمذ حاصل ہوا ۔

عجیب واقعہ:

ایک دن حضرت امام کی خدمت میں خیم کشیر پڑھ رہا تھا ۔ غالباً مولانا محمد نور صاحب مکی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی سامع تھے ۔ دوران سبق میں میں نے جرأت کر کے فصوص الحکم سے متعلق منطقی سوال کر دیا ۔ حضرت مولانا فرمانے لگے ۔ منطق میں میرے ساتھ ادب سے بات کیجیے گا ۔ میں نے خیرآبادی جیسے استادوں سے منطق پڑھی ہے ۔ درس ختم ہونے کے بعد میں صبر کر کے اپنے کمرہ رہائش کی طرف چلا گیا ۔ اتنے میں مولانا پاپیادہ میرے پیچھے چلے آئے ۔ اس وقت غالباً مولوی عزیز اللہ (جروار، شہداد کوٹی) میرے رفیق بھی میرے پاس بیٹھے تھے ۔ حضرت مولانا نے نہایت میٹھے لہجے سے فرمایا کہ مولوی صاحب ! آپ کا اعتراض ہم نے سنا ۔ اصل اعتراض ابن عربی کا ہے ۔ اس کا جواب ہم بتائیں گے ۔ فرمایا کہ اب ہم مولویانہ قسم کے سوالات و جوابات کے درپے نہیں ہوتے ۔ اس میں بے سود وقت ضایع ہوتا ہے ۔ پھر میرے ساتھ بے تکلفی کے ساتھ بیٹھ کر زمانہ شاگردگی کا احوال بیان فرمایا ۔

مولاناؒ کا خاندان:

مولانا مرحوم کا تولد چیانوالی گاؤں ضلع سیالکوٹ میں ۱۲ ۔ محرم ۱۲۸۹ء بمطابق ۱۰ ۔ مارچ ۱۸۷۲ء کو ہوا ۔ مولانا کے والد مولانا کی پیدائش سے چار ماہ قبل فوت ہو گئے تھے ۔ مولانا مرحوم کی پرورش ان کے دادا کی گود میں ہوئی ۔

مولانا کے خاندان کا اصل پیشہ زرگری تھا لیکن کسی زمانے سے کچھ لوگوں نے سرکاری ملازمت اختیار کر لی تھی اور بعض نے ساہوکارہ شروع کر دیا تھا ۔ مولانا نے فرمایا کہ ۱۸۸۴ء میں ایک آریہ سماجی لڑکے سے مجھے کتاب تحفۃ الہند ملی ۔ اس کے مطالعے سے مجھے اسلام کی صداقت معلوم ہوئی اور اسلام کی سچائی پر میرا اعتقاد روز بروز بڑھتا گیا ۔ ہمارے قریبی پرائمری اسکول (کوٹلہ مغلاں) کے چند ہندو طلبہ ملے ، وہ بھی میری طرح تحفۃ الہند کے گرویدہ تھے ۔ ان کے ذریعے مجھے مولانا اسمٰعیل شہید کی کتاب تقویۃ الایمان حاصل ہوئی ۔ اس کے مطالعے سے میں مسئلہ توحید سمجھ گیا ۔

اظہارِ اسلام:

حضرت نے فرمایا کہ [illegible] کے بعد میں ایک [illegible] طالب علم کی رفاقت میں گھر سے نکلا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوٹلہ رحم شاہ ضلع مظفر گڑھ پہنچے - وہاں میری سنت تطہیر ادا ہوئی - تھوڑے دنوں بعد اپنے عزیزوں کے خوف سے سندھ جانے کا ارادہ کیا - صرف کی کتابیں راستے میں ہی رفیق طالب علم سے پڑھ لیں - اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہوئی جو سندھ میں بھرچونڈی تحصیل اوباڑہ میں پہنچا - وہاں مجھے سید العارفین حافظ محمد صدیق صاحبؒ کی زیارت نصیب ہوئی - حضرت حافظ صاحب میرے لیے باپ کی جگہ پر تھے - حضرت نے ایک مجلس میں ایسا ہی ارشاد فرمایا تھا - اظہار اسلام کے بعد میں نے اپنا نام تحفۃ الہند کے مصنف کے نام پر عبید اللہ خود منتخب کیا تھا - حضرت حافظ صاحب کے مہربانیوں کا خاص اثر ہوا کہ میں سندھ کو اپنا وطن سمجھنے لگا -

طالب علمی کا زمانہ:

تین چار ماہ بعد علم حاصل کرنے کے لیے بھرچونڈی سے پنجاب کا رخ کیا - پنجاب کے ایک گاؤں میں " بدیع المیزان " شروع کی - بدیع المیزان کے تیسرے صفحہ پر اقلیدس کی ایک تقریر آئی جسے مولوی صاحب مکمل طور پر حل نہ کر سکے - میری تو اقلیدس اردو مڈل میں اچھی طرح پڑھی ہوئی تھی - وہاں سے کچھ طلبہ کے مشورے سے دارالعلوم دیوبند پہنچا - وہاں دو پنجابی غالباً مسلم پڑھتے تھے ، اور بدیع المیزان کی اشکال مجھ سے حل کراتے تھے - ملا حسن پڑھنے کے لیے مولانا احمد حسن کان پوری (جو معقول خصوصاً ملا حسن کی تدریس میں شہرہ آفاق تھے) کے پاس روانہ ہو گئے - مولانا نے فرمایا کہ دارالعلوم میں میرا داخلہ صفر ۱۳۰۶ھ میں ہوا - پانچ ماہ میں ، میں قطبی تک کتابیں پڑھ چکا تھا - ملا حسن پڑھنے کے لیے میں بھی کان پور روانہ ہو گیا - ان دونوں پنجابی طلبہ کے ساتھ ملا حسن میں کلاس فیلو (ہم درس) ہوا - پہلے ملا حسن کا مکمل مطالعہ کر چکا تھا - استاد کے سامنے ملا حسن میں متعدد جگہوں پر عبارات میں تعارض ثابت کرتا رہا - جس پر کلاس فیلو اور دوسرے طلبہ حیران ہوتے تھے - ان دونوں طلبہ کو خاص طور پر ملا حسن کا دورہ کراتا رہا - میر زاہد اور میبذی شروع ہونے والی تھیں - لیکن میں نے پہلے ہی ایک مسجد میں بیٹھ کر بحر العلوم حاشیہ میر زاہد اور سید فخر حاشیہ میبذی حفظ کر لیے تھے - کان پور میں تھوڑے مہینوں میں چند کتابیں ختم کر کے مدرسہ عالیہ رام پور پہنچا - وہاں اشارات اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری فلسفہ کی کتابیں پڑھیں ۔ اشارات کے ایک مقام پر تین دن لگ گئے ۔ لیکن ہمارے اور استاد کے درمیان جس بات پر تصفیہ نہیں ہو رہا تھا، اس مقام پر مولانا فضل حق خیرآبادی کی ایک قلمی تقریر مل گئی ۔ معاملہ ختم ہوا ۔

ایک دن میں شاہ (اسمعیل) شہید کا ذکر کر رہا تھا کہ استاد نے سن لیا، سخت ناراض ہوئے ۔ میں حیران ہوا کہ جس بزرگ کی کتاب پڑھ کر میں مسلمان ہوا ہوں اسے میں کیسے چھوڑوں، آخر الامر، رام پور کو الوداع کہہ کر دوبارہ صفر ۱۳۰۷ھ میں دارالعلوم دیوبند پہنچا اور حضرت شیخ الہند کے درس میں داخل ہوا ۔ ھدایہ، تلویح، مطول، شرح عقائد، مسلم الثبوت کا امتحان دیا اور نہایت ہی امتیازی نمبر حاصل کیے ۔ مولوی سید احمد صاحب دہلوی نے اپنے پرچہ جات کے جوابات دیکھ کر تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر عبید اللہ کو کتابیں ملیں تو ثانی شاہ عبدالعزیز ہوگا ۔ کچھ دوستوں نے میرے متعلق خواب دیکھے ۔ میں نے خود بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور امام ابو حنیفہ کو دیکھا ۔

دورہء حدیث:

شوال ۱۳۰۷ھ میں دورہء حدیث اور تفسیر بیضاوی میں شریک ہوا، ترمذی شریف شیخ الہند سے پڑھی اور ابوداؤد مولانا رشید احمد سے گنگوہ میں جاکر پڑھی ۔ اسی سال سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ چار، چار دنوں میں ختم کی اور سراجی دو گھنٹوں میں پڑھی ۔ مولانا سید نذیر حسین صاحب مشہور بہ میاں صاحب دہلوی سے بھی بخاری اور ترمذی سے چند اسباق پڑھ کر شرفِ تلمذ حاصل کیا ۔

سندھ کی طرف واپسی:

ایک صحبت میں مولانا صاحب نے فرمایا کہ ہم ۱۳۰۸ھ جمادی الثانی کو سندھ میں واپس پہنچے اور تھوڑے دنوں کے بعد مولانا تاج محمود صاحب امروٹی کی خدمت میں جاکر رہا ۔ اس وقت سندھ میں دو مشہور عالم تھے ۔ ان کا سلسلہ تلمذ پورے سندھ میں پھیلا ہوا تھا ۔ ۱..... مولانا غلام صدیق صاحب شہداد کوٹی، ۲..... مولانا عبدالغفور صاحب ہمایونی ۔ احقر کے استفسار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر مولانا نے فرمایا کہ میاں صاحب سے ہماری تحریر وغیرہ نہیں تھی۔ البتہ ہمایونی صاحب سے ہمارا اختلاف کچھ جزوی مسائل میں رہا۔ لیکن جب ہم نے دیکھا کہ مولوی صاحب ہمارے قرآن و حدیث کے دلائل کے جواب میں علم معانی کی کچھ کتابوں کے حوالے دیتے ہیں، تو ہم نے قصہ ختم کر دیا۔ امروٹ میں ہم نے سات آٹھ برس تک تعلیم و تدریس کا کام کیا۔ مولوی فیض الکریم اہل حدیث امروٹ میں آئے تھے۔ وہ پہلی ہی ملاقات میں فقہ حنفی پر اعتراض کرنے لگے۔ ہم نے الزاماً یہ اعتراضات علامہ شوکانی پر ثابت کر دیے۔ مولوی صاحب حیران ہوگئے۔ راقم کے استفسار پر حضرت علامہ نے فرمایا کہ مولوی عبدالوہاب کولاچی نے ہمارے پاس تلویح اور دوسری کتابیں پڑھی ہیں۔ ان میں اچھی سوجھ بوجھ تھی۔ ہماری تقریر سمجھ جاتے تھے۔

امروٹ سے علحدگی:

حضرت امروٹی کے ساتھ کچھ باتوں پر اختلاف ہوگیا۔ ہم جب اپنے استاد کے حکم پر دیوبند پہنچے تو مولانا امروٹی صاحب ایک دعوت پر دارالعلوم تشریف فرما ہوئے۔ مولانا شیخ الہندؒ سے فرمایا کہ ہمیں بخاری شریف کے دو تین سبق دیں۔ مولانا شیخ الہندؒ نے مولانا انور شاہ کو سامنے بٹھا کر بخاری شریف کی کتاب الجہاد سے کچھ تقریر فرمائی۔ اس کے بعد حضرت امروٹی صاحب کا ہم سے اختلاف دور ہوگیا۔

ایک خواب:

امروٹ والی زندگی میں، میں نے ایک خواب دیکھا کہ دو کرسیاں ہیں ایک پر میں بیٹھا ہوں، دوسری پر ایک حسین و خوبصورت عورت حجۃ اللہ البالغہ ہاتھ میں اٹھائے بیٹھی ہے۔ پہلے میں نے اس کی تعبیر کی کہ شاید رفیقہ حیات ایسی ملے گی، جو حجۃ اللہ البالغہ جانتی ہوگی۔ بعد میں تعبیر کی غلطی محسوس ہوئی اور یہ تعبیر سمجھ میں آئی کہ وہ عورت حکومت ہے جس کا پروگرام حجۃ اللہ البالغہ ہوگا اور وہ حکومت تحریک ولی اللہیؒ کے ذریعے حاصل ہوگی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جمعیت الانصار:

حضرت شیخ الہند نے دوسری مرتبہ دارالرشاد (پیر جھنڈا، سندھ) سے مجھے دیو بند بلوایا۔ یہ واقعہ ۱۳۲۷ھ کا ہے۔ میں نے وہاں رہ کر جمعیت الانصار قائم کی۔ تین سال تک کام کرتا رہا۔ اس کے بعد وہ کام دیو بند سے دہلی منتقل ہوا۔ وہاں ۱۳۳۱ھ میں نظارۃ المعارف قائم کر کے حکیم اجمل خان، نواب وقار الملک، ڈاکٹر انصاری اور مولانا ابو الکلام اور دوسرے بزرگوں کے ساتھ کام کرتا رہا۔

سفر کابل:

حضرت شیخ الہندؒ کے ارشاد سے مجھے کابل جانا پڑا۔ سندھ سے مولانا امروٹی نے بلوچی لباس مجھے پہنایا۔ وہ پہن کر سندھ کی سرحد سے باہر نکلا۔ افغانستان پہنچنے پر ہمیں کون سی مشکلات پیش آئیں؟ پہلے وہاں کے علما نے ہم سے امتحان لینا شروع کر دیا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک مثنوی کا بیت "وحدت اندر وحدت اندر وحدت است الخ" پوچھنے لگے۔ اسے حل کرنے میں بھی مجھے حضرت شاہ صاحبؒ کی کتابوں نے مدد دی۔ ہم نے وحدات ثلثہ کو ثابت کر کے انھیں چپ کرا دیا۔

امیر حبیب اللہ سے شرفِ ملاقات:

اس زمانے میں افغانستان کے حاکم امیر حبیب اللہ تھے۔ امیر صاحب برطانیہ سے بہت حد تک شاکی تھے۔ لیکن انھیں طاقت نہ تھی۔ اس کے ساتھ وہ بڑے عیاش بھی تھے۔ ایک سو عورتیں ان کے قبضے میں تھیں۔ کچھ مدت کے بعد امیر صاحب سے شرفِ ملاقات حاصل ہوا کافی دیر تک گفتگو چلتی رہی۔ اس کے بعد ہم نے دربار میں زیادہ رتبہ حاصل کر لیا۔

سندھ سے ایک سازش:

ایک صحبت میں مولانا نے فرمایا کہ جب ہم نے اپنا اثر افغانستان کی حکومت میں قائم کر لیا تو اس وقت سندھ سے ایک سازش حیدرآباد ضلع سے شروع ہوئی۔ وہاں کے ایک پیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صاحب جن کا تعلق کابل سے بھی تھا، وہاں پہنچے اور ہمارے خلاف امیر صاحب کے سامنے یہ شکایت کی کہ مولوی عبید اللہ وہابی اور انگریزوں کا جاسوس ہے۔ حکومت افغانستان کو برباد کرنے کے لیے آیا ہے۔ وزیر صاحب کے استفسار پر میں نے جواب دیا کہ آپ مجھے فی الحال گرفتار کر لیں پھر اپنے جاسوس ہندوستان بھیجیں اگر میرے لیے میری پوری زندگی میں ایک دن بھی انگریز دوستی کا ثابت ہو جائے تو میری سزا قتل ہے۔ یہ جواب ہم نے اس لیے منتخب کیا کہ ایسی شکایت کے جواب میں حلف وغیرہ بیکار تھا۔

مولانا کی گرفتاری:

آخر ہماری رائے پر ہمیں نظر بند کر دیا گیا۔ جاسوس بھیجے گئے جنھوں نے پانچ، چھ ماہ کے اندر رپورٹ پیش کی کہ مولانا عبید اللہ کے لیے انگریزی کی ڈائری میں ایک نقطہ بھی سفید نہیں ہے، صرف سیاہ ہی سیاہ ہیں۔ چناں چہ مجھے آزاد کر دیا گیا۔ اس کے بعد انگریزوں کی طرف سے امیر صاحب پر دباؤ ڈالا گیا کہ مولوی عبید اللہ ہمارے حوالے کر دیا اسے گرفتار کر کے قید کر دو۔ میرے قتل کے لیے دس ہزار روپیہ کی پیش کش کی گئی۔

امیر صاحب چوں کہ ہم سے خوش تھے ان کا شک دور ہو چکا تھا، اس لیے ہمیں انگریزی حکومت کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا البتہ نظر بند رکھا۔ کیوں کہ انھیں مستقل طاقت نہیں تھی۔ لیکن امیر صاحب یے سازش کا شکار ہو کر قتل ہو گئے۔ ہم اور ہمارے رفقا کی کوشش سے امیر امان اللہ خان اوسط فرزندِ امیر حبیب اللہ تخت نشین کیے گئے۔

امیر امان اللہ کا دور:

امیر امان اللہ خان صاحب جب تخت نشین ہوئے تو پہلے ہی حرم سرائے کی عورتوں کو اجازت دی۔ امیر صاحب مجھ جیسے درویش اور فقیر پر اتنے مہربان تھے کہ میں ان کی حکومت کے تمام کاروبار میں دخیل تھا۔ آخر الامر انگریزوں سے جنگ ہوئی، ہم موجود تھے۔ ہندوستان کے مسلمانوں سے ہمیں امید تھی، لیکن انھوں نے کچھ نہیں کیا۔ خدا کے فضل سے فتح حاصل ہوئی۔ امیر صاحب ہز میجسٹی کے لقب سے نوازے گئے، افغانستان آزاد ہوا۔ یہ جو کچھ ہوا اسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم شیخ الہند کی برکت سمجھتے ہیں۔

نوٹ: حضرت مولانا نے جنگ کی عجیب و غریب خبریں بتائیں جو حوالات کے خوف سے اور دوسرے وجوہات سے ہم لکھ نہیں سکتے۔

قیام ماسکو:

۱۹۲۳ء میں میں ماسکو (روس) میں حکومت کا چھ ماہ تک مہمان رہے۔ ماسکو یونیورسٹی کے طلبہ ہم سے روزانہ پوچھنے لگے کہ مولانا آپ اپنا خدا دکھائیں اور ہمیں سمجھائیں۔ ایک دن ہم نے انھیں بٹھا کر سنجیدگی سے پوچھا کہ آپ مادہ کو مانتے ہیں؟ جواب جی ہاں مانتے ہیں۔ سوال: آپ کے فلسفے میں وجود بھی ایک شی مافوق العادۃ ہے جسے مادہ نہیں کہتے؟ ج: بالکل صحیح۔ پھر ہم نے ان کو کہا کہ وہی وجود ہمارا خدا ہے۔ آپ دنیا کو مادہ میں ہضم کرتے ہو۔ اور ہم مادہ کو بھی وجود میں ہضم کرتے ہیں۔ یہ سن کر طلبہ حیران ہوئے۔ جب ماسکو یونیورسٹی کے پروفیسروں نے ہمارا یہ جواب سنا تو طلبہ کو کہنے لگے کہ وہ ہندوستانی مولوی بڑا فیلسوف ہے۔ اس سے گفتگو نہ کریں۔

قیام ترکی:

روس سے ہم ۱۹۲۳ء میں انقرہ (ترکی) پہنچے۔ یہ ترکی حکومت کا نیا دور تھا۔ مصطفیٰ کمال برسر اقتدار آچکے تھے۔ پہلے ہمارا مرحوم مصطفیٰ کمال سے مسئلہ خلافت پر اختلاف تھا۔ لیکن بعد میں آہستہ باتیں سمجھنے سے اختلاف دور ہوا۔

ایک واقعہ:

مرحوم مصطفیٰ کمال پاشا سے ایک دفعہ ہماری ملاقات ہوئی۔ مرحوم نے فرمایا۔ آپ سے پہلے ترکی علما کا ایک وفد ہمارے پاس آیا تھا۔ ان سے ہم نے سورۃ والعصر کی تفسیر پوچھی، لیکن کسی نے بھی پورا جواب نہیں دیا۔ جب ہم نے مرحوم کو اس کی تفسیر بتائی اور اپنے پروگرام کی بھی تشریح کی تو مرحوم خوش ہوئے اور فرمایا آپ اگر پہلے ہمارے پاس آتے تو ہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کے پروگرام کے مطابق حکومت کا دستورالعمل تیار کرتے۔ مولانا نے فرمایا مصطفیٰ کمال مکمل مسلمان تھا۔ اس کا مرشد بھی ایک باخدا شخص تھا۔ جس نے ہم سے کچھ پڑھا بھی تھا۔

قیام مکہ مکرمہ:

مولانا نے فرمایا کہ ۱۳۴۵ھ میں اٹلی کے راستے سے مؤتمر اسلامی میں شریک ہونے کے لیے مکہ مکرمہ پہنچا۔ لیکن مؤتمر پہلے ختم ہو چکی تھی اور ہندوستان اور عالم اسلام سے جو مندوبین آئے تھے وہ واپس جا چکے تھے۔ ہم نے صرف علمی زندگی گزارنے پر قناعت کی۔ حالات کا تقاضا تھا کہ سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی جائے۔ اس دوران میں مطالعے کا بہت موقع ملا اور دنیا کے بڑے بڑے علما سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔

واپسی وطن:

جب بعض رفقا کی کوششوں سے کچھ وطن واپسی کا امکان پیدا ہوا تو میں نے بعض ایسی شرائط بھی منظور کر لیں جو وطن واپسی میں رکاوٹ بن سکتی تھیں۔ میرے لیے سب سے اہم بات یہ تھی کہ مجھے ہندوستان میں امام ولی اللہ کے انقلابی نظریات کی تعلیم اور اشاعت کا موقع ملے گا۔ یہاں ہمارے خلاف سازش شروع ہوئی۔ کچھ نے پروپیگنڈا کیا کہ عبیداللہ دیوانہ ہے۔ بعض نے کہنا شروع کر دیا کہ عبیداللہ کے عقائد میں فتور آگیا ہے اور وہ اسلام پر یورپین طرز زندگی کو ترجیح دیتا ہے۔ یہ جنگ کا زمانہ تھا۔ اس پروپیگنڈا کا یہ اثر ہوا کہ پرائے تو خیر پرائے تھے اپنے بھی میری باتیں سننے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔

لطیفہ:

مولانا نے فرمایا کہ اس غم میں ایک مرتبہ سحر کے وقت دارالرشاد کے ایوان میں ٹہل رہا تھا کہ اچانک ایک مصرع ذہن میں آیا: کیسے تیرانداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو۔

پھر ہم نے خدا پاک پر توکل کر کے کام شروع کیا۔ نوجوان طبقہ میں اچھا اثر پیدا ہوا۔ مسئلہ جہاد اور انقلاب کو سمجھنے لگے۔ بیت الحکمت کی شاخیں کھول گئیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا کی آخری یادگار جمعیت الطلبہ:

ایک صحبت میں احقر سے مولانا نے فرمایا کہ آپ نوجوان طبقے میں انقلابی نظریے کا پروپیگنڈا کریں ۔ میں نے ارشاد کے مطابق مدرسہ دارالسعادت گوردپھوڑ میں بیت الحکمت قائم کرکے کام کا آغاز کیا ۔ کام آگے بڑھا ۔ حیدرآباد کے اجلاس جمعیت العلماء کے موقعے سے فائدہ اٹھاکر اپنے دو رفقا قاضی عزیزاللہ (شہدادکوٹی) اور میاں عبیداللہ لاڑکانوی کو آمادہ کیا کہ وہ اسٹوڈنٹ فیڈریشن قائم کریں اور اس کا جلسہ کریں ۔ چناں چہ جمعیت الطلبہ سندھ قائم ہوئی اور اس کا اجلاس ہوا ۔ جس کی تمام کارروائی ایک ٹریکٹ کی شکل میں شائع کی ہوئی ہے ۔ مولانا مرحوم بے حد مسرور تھے ۔ بیماری کی حالت میں بھی مدرسہ دارالسعادت میں تشریف فرما ہوئے، اور مسلسل ۸ دن تک ہمارا کام دیکھتے رہے ۔

انتقال سے تھوڑا پہلے:

۱۵ ۔ شعبان کے شہدادکوٹ میں ایک جلسہ جمعیت الطلبہ کا تجویز کیا گیا ۔ مولانا کو صدارت کے لیے عرض کیا گیا ۔ مولانا مرحوم مدرسہ مظہرالعلوم (کراچی) میں مقیم تھے اور سخت علیل تھے ۔ تاہم لکھتے رہے کہ تھوڑی صحت یابی ہوئی تو آؤں گا، بصورت دیگر مولوی غلام مصطفیٰ کام چلائے ۔ اخیر میں تار پہنچا کہ ہماری طبیعت گرتی جارہی ہے ۔ جلسہ کے لیے خطبہ صدارت چھپواکر محمد یوسف کے ساتھ بھیجتے ہیں ۔ لیکن افسوس کہ گاڑیوں کے لیٹ ہونے کی وجہ سے خطبہ بروقت پہنچ نہ سکا ۔ جلسہ ختم ہوتے ہی مولوی قاضی عزیزاللہ و نور چشمی .... مولانا کی خدمت کے لیے کراچی روانہ ہوگئے ۔ مولانا نہایت ضعیف و نحیف تھے ۔ لیکن خبر سنتے ہی بلالیا ۔ آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگے ۔ وہاں سے حضرت مولانا کو دارالرشاد پیر جھنڈا لایا گیا ۔ ہم بھی خدمت میں دارالرشاد آئے ۔ مولوی عزیزاللہ اور مولانا (دین محمد) وفائی صاحب ہر وقت خدمت کے لیے مستعد نظر آتے تھے ۔ ایسے وقت میں اپنے خادموں کو (میں بھی ان میں سے ایک تھا) ارشاد فرمایا کہ میری حالت یہ ہے کہ میں بستر سے اٹھ کر کام نہیں کرسکوں گا ۔ لیکن بیٹھ کر آپ کو مشورے دیتا رہوں گا کہ آپ کو کیا کام کرنے ہیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس دوران میں مولانا کی بہت سی کرامات اور خرق عادات کا مشاہدہ ہوا۔ دارالرشاد سے تھوڑی سی صحت کے بعد مولانا اپنے نواسے ظہیر الحق اور بعض دوسرے حضرات کی رفاقت میں دین پور تشریف لے گئے۔ احقر راقم اور مولوی عبدالمجید (امجد سندھی) خادم کو سکرنڈ سے اجازت دے کر رخصت کر دیا۔ مولوی عزیز اللہ خدمت کے لیے حضرت کے ساتھ تھے۔ شعبان کی آخری تاریخ کو مولانا دین پور پہنچے تھے۔ تین دن کے بعد اچانک الم رساں خبر پہنچی کہ مولانا ۲۔ رمضان کو اس دار فانی سے رحلت فرما کر ہم خادموں کو یتیم کر کے راہی عالم جاودانی ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ہمیں کیا کرنا ہے:

حضرت مولانا سندھی کی وفات سے ان کی تحریک کو جاری رکھنے اور کاموں کو آگے بڑھانے کی ذمہ داری ہمارے اوپر آگئی ہے۔ مولانا وفائی کے مشورہ سے شہداد کوٹ میں ایک میٹنگ کرنی ہے۔ آخری فیصلہ وہیں کیا جائے گا۔ حضرت امام کی تحریک کو آگے بڑھانا ہے۔ خواہ اس راہ میں کتنی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ واللہ علی ما اقول شہید۔

(توحید، کراچی۔ اکتوبر ۱۹۴۴ء)

© rasailojaraid.com